صریرخامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 01 (Jan-March 2026)

مروجہ اسلامی بینکاری پر پاکستانی اور مصری علماء کے مناہجِ استدلال: تقابلی و تجزیاتی مطالعہ

Methods of Argumentation among Pakistani and Egyptian Scholars on Contemporary Islamic Banking: A Comparative and Analytical Study

Hafiz Ehsan Ullah

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University Faisalabad, habibhandawi313@gmail.com

Dr Khalid Mahmood Arif

Associate Professor/ HOD department of Islamic Studies Riphah International University Faisalabad, khalid.mahmood@riphahfsd.edu.pk

Abstract:

This article examines the methods of argumentation employed by Pakistani and Egyptian scholars in their discussions of contemporary Islamic banking. Instead of treating the debate as a simple disagreement between approval and rejection, the study argues that the deeper point of divergence lies in the methodological principles through which scholars interpret riba, modern banking contracts, institutional practice, economic substance, public need, and the objectives of Shariah. In the Pakistani context, the supportive and reformist approach associated with Mufti Muhammad Taqi Usmani combines textual evidence, classical juristic contracts, institutional Shariah governance, and gradual transition from interest-based finance toward Shariah-compliant alternatives. Critical Pakistani voices, however, examine Islamic banking through maqasid al-Shariah, economic substance, and the critique of capitalist financial logic, questioning whether current products sufficiently embody risk-sharing, social justice, and genuine transformation. In the Egyptian context, Ahmad Ali al-Salus represents a textual and usuli approach that strongly emphasizes the prohibition of riba and warns against legal stratagems, while Abdul Rahman Yousri Ahmad represents a maqasid-oriented and developmental approach that evaluates finance in relation to welfare, productive investment, and human development. Certain fatwas of Dar al-Ifta al-Misriyyah also illustrate an institutional fatwa method that considers public need, legal characterization, and the realities of modern state finance. The article concludes that meaningful scholarly dialogue on Islamic banking requires explicit attention to methodology: contract form, economic substance, maqasid, necessity, custom, institutional governance, and consequences must be studied together. A balanced approach should preserve the categorical prohibition of riba while promoting authentic contracts, transparent Shariah governance, social finance, and a gradual movement from formal compliance to genuine maqasid-based financial reform.

Keywords: *Islamic Banking; Methods of Argumentation; Riba; Maqasid al-Shariah; Pakistani Scholars; Egyptian Scholars*

تمہید

مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں پاکستانی اور مصری علماء کی آراء محض حلال و حرام کے سادہ اختلاف تک محدود نہیں بلکہ ان کے پیچھے مختلف مناہجِ استدلال کارفرما ہیں. کوئی عالم نصوصِ ربا اور کلاسیکی فقہی قواعد کو بنیاد بناتا ہے، کوئی معاملات کی ظاہری قانونی ساخت کے ساتھ ان کے معاشی اثرات کو بھی دیکھتا ہے، کوئی مقاصدِ شریعت، حاجتِ عامہ اور تدریج کے اصولوں سے استدلال کرتا ہے، اور کوئی جدید ریاستی مالیات، عرفِ معاشی اور ادارہ جاتی نگرانی کو اہم قرار دیتا ہے. اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ پاکستانی اور مصری علماء کے استدلالی مناہج کو تقابلی اور تجزیاتی انداز میں واضح کیا جائے، تاکہ اسلامی بینکاری کی بحث اشخاص یا فتاویٰ کے الگ الگ بیانات کے بجائے ان علمی اصولوں کی روشنی میں سمجھی جا سکے جن سے وہ نتائج اخذ کرتے ہیں. پاکستانی تناظر میں مفتی محمد تقی عثمانی کا منہج نصی، فقہی، عقدی، تدریجی اور ادارہ جاتی ہے؛ وہ ربا کی حرمت کو قطعی مانتے ہوئے مرابحہ، اجارہ، مشارکہ اور مضاربہ کو شرعی متبادل کے طور پر منظم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی مرابحہ کے غلبے اور صوری عمل پر تنقید بھی کرتے ہیں. پاکستانی ناقدین، جن میں جاوید اکبر انصاری کا فکری رجحان نمایاں ہے، زیادہ تر مقاصدی، تہذیبی اور سرمایہ دارانہ نظام کی تنقید کے منہج سے استدلال کرتے ہیں. مصری علماء میں احمد علی السالوس کا منہج نصی، اصولی اور سدِ ذرائع پر مبنی ہے، جب کہ عبدالرحمن یسری احمد کا منہج مقاصدی، معاشی اور ترقیاتی ہے. دار الافتاء مصر کے بعض فتاویٰ میں عرف، ضرورت، ریاستی نظم اور قانونی تعبیر کا منہج غالب دکھائی دیتا ہے. مقالہ یہ نتیجہ پیش کرتا ہے کہ اسلامی بینکاری کے بارے میں اختلاف کی اصل جڑ اکثر حکم سے پہلے منہج میں ہوتی ہے؛ اس لیے علمی مکالمہ اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتا ہے جب ہر فریق اپنے استدلالی اصول، ترجیحات اور حدود واضح کرے۔[1]

تعارف

اسلامی بینکاری کے بارے میں معاصر علمی اختلاف کو اگر صرف اس سوال میں سمیٹ دیا جائے کہ کون عالم اس کے حق میں ہے اور کون اس کے خلاف، تو بحث کی اصل علمی گہرائی ضائع ہو جاتی ہے. حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے نتائج سے زیادہ ان کے مناہجِ استدلال اہم ہیں. ایک عالم جب مرابحہ کو جائز کہتا ہے تو وہ صرف لفظ مرابحہ سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے ملکیت، قبضہ، ضمان، بیع مؤجل، وعدہ، وکالت، عرفِ تجارتی اور حاجتِ عامہ کا پورا فقہی نظام موجود ہوتا ہے. اسی طرح جب کوئی ناقد اسے

سودی قرض کا متبادل نام کہتا ہے تو وہ صرف فقہی صورت پر نہیں بلکہ معاشی اثر، سرمایہ دارانہ منطق، خطرے کی حقیقی تقسیم، بینک کے مقصدِ نفع اور صارف کے عملی تجربے پر استدلال کر رہا ہوتا ہے .اس لیے مروجہ اسلامی بینکاری پر پاکستانی اور مصری علماء کی آراء کا تقابلی مطالعہ اس وقت زیادہ معنی خیز بنتا ہے جب اسے مناہجِ استدلال کے زاویے سے دیکھا جائے۔ پاکستان اور مصر دونوں اسلامی علمی روایت کے اہم مراکز ہیں، لیکن دونوں ممالک کا بینکاری پس منظر یکساں نہیں۔ پاکستان میں ربا کے خاتمے کا مسئلہ آئینی، عدالتی، فقہی اور عوامی مطالبے کی صورت میں سامنے آیا۔ وفاقی شرعی عدالت، اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شرعی مجالس، اسلامی بینکوں اور بین الاقوامی اسلامی مالیاتی معیارات نے مل کر اسلامی بینکاری کا ایک نسبتاً منظم اور باقاعدہ ادارہ جاتی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ اس کے برعکس مصر میں یہ بحث الازہر، دار الافتاء، ریاستی مالیاتی مصنوعات، سرمایہ کاری اسناد، سرکاری بینکوں اور جدید معاشی ضروریات کے تناظر میں زیادہ وسیع انداز میں سامنے آئی۔ اس تاریخی اور ادارہ جاتی فرق نے دونوں ممالک کے علماء کے طرزِ استدلال کو بھی متاثر کیا۔ پاکستان میں بنیادی سوال زیادہ تر یہ رہا کہ روایتی سودی بینکاری کے مقابلے میں ایک الگ اور قابلِ عمل اسلامی بینکاری نظام کس طرح قائم کیا جائے، جبکہ مصر میں بعض اوقات یہ سوال بھی اہم رہا کہ موجودہ بینکی منافع کو قرض، سرمایہ کاری، مضاربہ یا ریاستی مالیاتی نظم میں سے کس فقہی عنوان کے تحت سمجھا جائے۔[3]

مناہجِ استدلال سے مراد وہ علمی طریقے اور اصول ہیں جن کے ذریعے ایک عالم نصوص، فقہ، اصولِ فقہ، عرف، مقاصدِ شریعت، ضرورت، معاشی حقیقت اور ادارہ جاتی صورت کو باہم مربوط کر کے کسی شرعی حکم تک پہنچتا ہے۔ کسی مسئلے میں بنیادی نصوص سب کے سامنے یکساں ہو سکتی ہیں، لیکن ایک عالم نص کے عموم کو مقدم رکھتا ہے، دوسرا علت اور مناطِ حکم کی تحقیق کرتا ہے، کوئی سدِ ذرائع کو مرکزی حیثیت دیتا ہے، کوئی حاجتِ عامہ کو معتبر سمجھتا ہے، کوئی مقاصد اور مآلات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، اور کوئی معاملے کی قانونی و فقہی صورت کو فیصلہ کن سمجھتا ہے۔ اسلامی بینکاری کا مسئلہ اسی لیے پیچیدہ ہے کہ اس کے بنیادی شرعی اصول واضح ہیں، لیکن جدید مالیاتی صورتیں مرکب اور کثیر الجہت ہیں۔ ربا حرام ہے، لیکن کیا ہر بینکی منافع لازماً ربا ہے؟ بیع حلال ہے، لیکن کیا بینک کی مرابحہ فی الواقع حقیقی بیع ہے؟ مضاربہ جائز ہے، لیکن کیا اصل سرمایہ کی ضمانت کے ساتھ جمع شدہ رقم کو مضاربہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہی سوالات منہجِ استدلال کو اس پوری بحث کا مرکزی موضوع بنا دیتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[4]

قرآن کی یہ آیت ربا کی حرمت کو ایمانی تقاضے کے طور پر پیش کرتی ہے .مگر جدید اسلامی بینکاری کی بحث میں اصل سوال یہ نہیں کہ ربا حرام ہے یا نہیں؛ اس پر امت کا عمومی اتفاق ہے .اصل سوال یہ ہے کہ جدید بینکنگ کے کون سے اجزاء ربا کے حکم میں

داخل ہیں، کون سے اجزاء کو بیع یا اجارہ کے ذریعے تبدیل کیا جا سکتا ہے، اور کون سی صورتیں ایسی ہیں جو نام تو اسلامی رکھتی ہیں مگر حقیقت میں ربوی منطق کو باقی رکھتی ہیں .پاکستانی اور مصری علماء کے مناہج اسی مقام پر الگ الگ راستے اختیار کرتے ہیں: کوئی عقد کی صحت کو محور بناتا ہے، کوئی مآلِ عقد کو، کوئی ریاستی ضرورت کو، کوئی معاشی عدل کو، اور کوئی نصوصِ ربا کے ظاہری عموم کو[4].

مسئلہ تحقیق اور منہج

اس تحقیق کا مرکزی سوال یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں پاکستانی اور مصری علماء کن استدلالی اصولوں سے کام لیتے ہیں، ان اصولوں میں کہاں اشتراک ہے، کہاں اختلاف ہے، اور ان اختلافات کا عملی اثر فتاویٰ، بینکاری مصنوعات اور اسلامی معاشیات کے تصور پر کیا پڑتا ہے . یہ مضمون کسی ایک فتویٰ کے حق یا رد میں مختصر جواب نہیں بلکہ مناہج کی mapping ہے .اس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ عالم نصوصِ ربا کو کس طرح پڑھتا ہے، کلاسیکی فقہ کے ابوابِ بیوع کو جدید بینکاری پر کیسے منطبق کرتا ہے، مقاصدِ شریعت کو کتنی فیصلہ کن حیثیت دیتا ہے، عرف اور ضرورت کو کہاں تک معتبر مانتا ہے، اور معاشی اثرات کو حکم کے اندر داخل کرتا ہے یا اسے بعد کا اخلاقی سوال سمجھتا ہے۔مضمون میں پاکستانی علماء کے ضمن میں مفتی محمد تقی عثمانی کے منہج کو مرکزی تائیدی/اصلاحی نمونے کے طور پر، اور پاکستانی تنقیدی روایت کو سرمایہ دارانہ نظام اور مقاصدی نقد کے نمونے کے طور پر پڑھا گیا ہے .مصری علماء کے ضمن میں احمد علی السالوس کو نصی و اصولی نقد، عبدالرحمن یسری احمد کو مقاصدی و معاشی منہج، اور دار الافتاء مصر کے بعض فتاویٰ کو افتائی-ادارہ جاتی منہج کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

اس تقسیم کا مقصد علماء کو خانوں میں بند کرنا نہیں بلکہ ان کے غالب استدلالی رجحانات کو واضح کرنا ہے .ہر عالم کی فکر میں ایک سے زیادہ عناصر موجود ہو سکتے ہیں، مگر علمی تجزیے کے لیے غالب منہج کی شناخت ضروری ہے۔[6] شکاگو طرزِ حوالہ کے مطابق مضمون میں قرآنی آیات، احادیث، کلاسیکی فقہی مصادر، معاصر اسلامی مالیات کی کتب، شریعہ اسٹینڈرڈز، اسٹیٹ بینک پاکستان کے شریعہ گورننس فریم ورک، IFSB/AAOIFI کی دستاویزات، اور مصری فتاویٰ کے حوالہ جات استعمال کیے گئے ہیں .مقصد یہ ہے کہ مضمون محض عمومی تاثر نہ رہے بلکہ قابلِ مراجعت علمی مواد بنے .چونکہ موضوع مناہجِ استدلال ہے، اس لیے حوالہ جات صرف نتیجے کے لیے نہیں بلکہ اس بات کے لیے بھی دیے گئے ہیں کہ کس عالم نے کس علمی بنیاد سے استدلال کیا۔[7]

استدلالی مناہج کی نظری بنیاد

اسلامی قانون میں استدلال کا پہلا اور بنیادی سرچشمہ نص ہے، لیکن نص کو کسی نئے واقعے یا معاملے پر منطبق کرنے کے لیے فقہی فہم، علت کی تعیین، قیاس، عرف، مصالح، مآلات اور سدِ ذرائع جیسے اصول بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مالی معاملات میں یہ پہلو خاص طور پر اہم ہے، کیونکہ معاملات کا میدان عبادات کی نسبت زیادہ تغیر پذیر اور حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ بیع، اجارہ، شرکت، مضاربہ، سلم اور استصناع جیسے عقود کلاسیکی فقہ میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، لیکن جدید بینکاری میں ان کا استعمال قانونی دستاویزات، حسابی معیارات، خطرات کے نظم، مرکزی بینکاری کی نگرانی اور عالمی مالیاتی نظام کے ماحول میں ہوتا ہے۔ اس لیے منہجِ استدلال کا بنیادی سوال یہ بنتا ہے کہ کلاسیکی فقہی اصولوں اور عقود کو جدید ادارہ جاتی اور مالیاتی صورتوں پر کس طرح صحیح طور پر منطبق کیا جائے۔ ربا کے باب میں بنیادی نصوص قطعی ہیں، لیکن جدید بینکاری کی عملی ساخت مرکب اور کثیر الجہت ہے۔ قرض، جمع شدہ رقوم، سرمایہ کاری کھاتے، مالی معاونت کی سہولتیں، اثاثوں کی خرید، اجارہ، وکالت، ضمانت اور جرمانہ جیسے متعدد اجزاء بعض اوقات ایک ہی مالی معاملے میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی عالم صرف عقد کی ظاہری اور قانونی صورت کو بنیاد بنائے تو ایک نتیجہ سامنے آ سکتا ہے، جبکہ معاملے کی حقیقی معاشی نوعیت کو دیکھا جائے تو نتیجہ مختلف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مقاصدِ شریعت کو بنیادی معیار بنایا جائے تو حکم کا زاویہ بدل سکتا ہے، اور اگر حاجتِ عامہ اور تدریج کو بھی شامل کر لیا جائے تو ایک اور نوعیت کا نتیجہ سامنے آ سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی بینکاری کے باب میں اختلاف اکثر نصوص کے انکار سے نہیں بلکہ **مناطِ حکم کی تعیین** سے پیدا ہوتا ہے۔ بنیادی سوال یہ ہوتے ہیں کہ بینک میں جمع شدہ رقم قرض ہے یا سرمایہ کاری؟ مرابحہ میں بینک کا خطرہ حقیقی ہے یا محض صوری؟ اور قیمت کے تعین کے لیے رائج سودی پیمانے کا استعمال خود عقد کی شرعی نوعیت کو متاثر کرتا ہے یا صرف قیمت متعین کرنے کے ایک ذریعے کی حیثیت رکھتا ہے؟[9]

فقہاء نے مالی معاملات کے باب میں ایک طرف **اصلِ اباحت** کا اصول بیان کیا ہے، یعنی معاملات میں بنیادی حکم جواز کا ہے، جب تک کوئی واضح شرعی ممانعت موجود نہ ہو۔ دوسری طرف ربا، غرر، ظلم، دھوکا، ناحق مال کھانے اور حیلہ سازی کو صراحت کے ساتھ ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں جہات کے درمیان صحیح توازن قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر اصلِ اباحت کے دائرے کو حد سے زیادہ وسیع کر دیا جائے تو ہر نئی مالیاتی صورت کو محض نیا ہونے کی بنا پر جائز قرار دینے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سدِ ذرائع اور احتیاط کو غیر معمولی وسعت دے دی جائے تو ہر نئے عقد اور مالی طریقے کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے جائز معاشی سرگرمیوں کے لیے غیر ضروری تنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ پاکستانی اور مصری علماء کے اختلافات میں یہی توازن مختلف علمی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی احتیاط کو ترجیح دیتا ہے اور کوئی حاجت کو؛ کوئی عقد کی ظاہری ساخت کو زیادہ

اہمیت دیتا ہے اور کوئی اس کے مقصد اور حقیقی اثر کو؛ کوئی تدریجی اصلاح کو قابلِ قبول سمجھتا ہے اور کوئی مکمل اسلامی معاشی تبدیلی کو اصل مطلوب قرار دیتا ہے۔[10]

إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ[11]

بیع کے باب میں رضامندی، ملکیت، عوض، قبضہ، ضمان اور شفافیت بنیادی اصول ہیں .اسلامی بینکاری کے تائیدی منہج میں ان اصولوں کو جدید contract architecture میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے .ناقدانہ منہج پوچھتا ہے کہ کیا رضامندی informed consentہے، کیا ملکیت حقیقی ہے، کیا ضمان بینک پر آتا ہے، کیا عوض واقعی اثاثہ ہے، اور کیا قیمت سودی benchmark کی نقل محض نہیں .اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث یا فقہی قاعدہ دونوں اطراف کے لیے بنیاد بن سکتا ہے، مگر استدلال کا رخ مختلف ہوتا ہے۔[12]

پاکستانی علماء کا تائیدی و اصلاحی منہج

مفتی محمد تقی عثمانی کا منہج رائج اسلامی بینکاری کی بحث میں پاکستانی علماء کے سب سے مؤثر مناہج میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد چار اہم عناصر پر قائم ہے: ربا کی حرمت سے متعلق نصوص کی قطعیت، کلاسیکی عقودِ بیوع و مشارکات کی فقہی صحت، جدید بینکاری نظام میں تدریجی تبدیلی کی ضرورت، اور شرعی نگرانی کے ذریعے ادارہ جاتی سطح پر اسلامی اصولوں کا نفاذ۔ وہ مروجہ سود کو ربا قرار دیتے ہیں، مگر اس نتیجے سے یہ لازم نہیں سمجھتے کہ بینکاری کی ہر ضرورت ممنوع ہو جائے۔ ان کے نزدیک اگر قرضی تعلق کو حقیقی بیع، اجارہ، مشارکہ یا مضاربہ میں تبدیل کر دیا جائے اور متعلقہ عقد کی شرائط فی الواقع پوری کی جائیں تو اسلامی بینکاری سودی نظام سے نکلنے کا ایک قابلِ عمل راستہ بن سکتی ہے۔ اس منہج میں مرابحہ ایک نمایاں مثال ہے۔ مفتی تقی عثمانی مرابحہ کو اسلامی مالیات کی مثالی صورت قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے ایک جائز مگر محدود اور عبوری ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ بیعِ مؤجل فقہ میں جائز ہے، نقد اور ادھار قیمت میں فرق ہو سکتا ہے، فروخت کنندہ اپنا منافع ظاہر کر سکتا ہے، اور اگر بینک پہلے شے کا مالک بنے اور پھر اسے صارف کو فروخت کرے تو یہ قرض پر اضافہ نہیں بلکہ بیع سے حاصل ہونے والا منافع ہے۔ تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بنیادی شرط عائد کرتے ہیں کہ بینک کی ملکیت، قبضہ، خطرے کی ذمہ داری اور فروخت حقیقی ہوں۔ اگر یہ تمام مراحل محض کاغذی کارروائی تک محدود رہ جائیں تو مرابحہ کی شرعی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے۔[13]

مفتی تقی عثمانی کے منہج کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ کلاسیکی فقہ کو محض جامد یا لفظی نقل کے طور پر استعمال نہیں کرتے، بلکہ جدید بینکاری ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہی عقود کی تطبیق کرتے ہیں۔ مثلاً خریدار کے حکم پر مرابحہ، وعدہ، وکالت، بیمہ و تکافل، تاخیرِ ادائیگی پر جرمانہ، قیمت کے تعین کے پیمانے، اور دستاویزی کارروائی کے مسائل کلاسیکی فقہ میں اسی موجودہ صورت میں موجود نہیں تھے۔ ان کے منہج میں بنیادی فقہی اصول برقرار رہتے ہیں، لیکن جدید صورتِ حال کے لیے تفصیلی شرائط مرتب کی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ منہج اجتہادی ہے، تاہم اپنے دعوے کے مطابق نصوص اور مسلمہ فقہی حدود کے اندر رہ کر اجتہاد کرتا ہے۔ اس منہج کی دوسری اہم بنیاد تدریج ہے۔ اگر کوئی معاشرہ کئی دہائیوں سے سودی بینکاری کے نظام میں جکڑا ہوا ہو اور حکومتی قرض، تجارتی سرمایہ کاری، بین الاقوامی تجارت، مرکزی بینکاری اور عوامی بچتیں اسی نظام سے وابستہ ہوں تو مکمل تبدیلی یک دم ممکن نہیں ہوتی۔ اسی لیے اسلامی بینکاری کو ایک تدریجی منتقلی کے ذریعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ابتدا میں سودی قرض سے بچنے کے لیے اثاثہ جاتی عقود اختیار کیے جائیں، پھر شرعی نگرانی مضبوط کی جائے، اس کے بعد مشارکہ و مضاربہ کا تناسب بڑھایا جائے، اور پھر اسلامی زرّی آلات اور سماجی مالیات کے نمونے ترقی دیے جائیں۔ اس تدریجی منہج کی اصل قوت اس کی عملی حقیقت پسندی ہے؛ البتہ اس کا ایک خطرہ یہ ہے کہ عبوری طور پر اختیار کی جانے والی مصنوعات مستقل کاروباری نمونہ بن جائیں۔[15]

پاکستانی تائیدی منہج میں ادارہ جاتی استدلال بھی نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا شرعی نگرانی کا نظام، اکاؤنٹنگ اینڈ آڈیٹنگ آرگنائزیشن فار اسلامک فنانشل انسٹی ٹیوشنز کے معیارات کا اختیار کیا جانا، شرعی مجالس، شرعی جانچ، مصنوعات کی منظوری اور سالانہ جائزے اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں کہ اسلامی بینکاری محض کسی فرد کے فتوے پر قائم نہیں، بلکہ ایک منظم ادارہ جاتی نظم کے تحت چل رہی ہے۔ اس منہج کے مطابق شرعی مطابقت کو ایسی صورت دینا ضروری ہے جسے دستاویزی طور پر ثابت، باقاعدہ جانچا اور نگران ادارے کی نگرانی میں پرکھا جا سکے، کیونکہ جدید بینک کسی فرد کا سادہ معاملہ نہیں بلکہ ایک پیچیدہ ادارہ ہے۔ تاہم اسی منہج کے اندر اصلاحی تنقید بھی موجود ہے۔ مفتی تقی عثمانی اور دیگر تائیدی علماء بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی بینکوں کو مرابحہ کے غلبے سے نکل کر مشارکہ و مضاربہ کی طرف بڑھنا چاہیے، شرعی مجالس کو محض رسمی ادارہ نہ بننے دیا جائے، دستاویزی صورت اور حقیقی عملی صورت میں مطابقت یقینی بنائی جائے، اور اسلامی بینکاری کو صرف زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے تک محدود نہ کر دیا جائے۔ اس لیے انہیں غیر مشروط اور مدافعانہ تائید کرنے والے علماء کہنا درست نہیں۔ ان کا منہج اجازت کے ساتھ اصلاح اور تدریج کے ساتھ مثالی اسلامی سمت کی مسلسل یاد دہانی پر قائم ہے۔[17]

پاکستانی تنقیدی منہج

پاکستانی تنقیدی منہج کا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی بینکاری موجودہ سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کی بنیادی منطق میں حقیقی تبدیلی پیدا کرتی ہے یا صرف اسی نظام کے معاملاتی سانچوں کو اسلامی نام دے دیتی ہے۔ اس منہج میں جاوید اکبر انصاری جیسے مفکرین کی آراء اہم ہیں، جو اسلامی بینکاری کو وسیع تر تہذیبی اور معاشی نظام کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک سود محض ایک الگ تھلگ عقد نہیں بلکہ سرمائے کے ارتکاز، قرضی نظم، منڈی کے غلبے اور صارفیت پر مبنی معیشت کا حصہ ہے۔ اگر اسلامی بینک اسی منافع مرکز نظام کے اندر کام کرے، رائج سودی پیمانوں کو قیمت کے تعین کے لیے بنیاد بنائے، خطرہ زیادہ تر صارف کی طرف منتقل کرے اور دولت کی گردش کے بجائے سرمائے پر منافع کو ترجیح دے تو اس کی شرعی اور معاشرتی افادیت محدود ہو جاتی ہے۔ اس منہج میں استدلال کا مرکز معاملے کی حقیقی معاشی نوعیت اور مقاصدِ شریعت ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اگر مرابحہ، اجارہ یا مشارکہ متناقصہ کی مالی ادائیگیوں کا مجموعی نتیجہ عام سودی قرض جیسا ہو، صارف کی ماہانہ ادائیگی سودی رہائشی قرض کے مشابہ ہو، بینک کا عملی خطرہ نہایت محدود ہو اور منافع پہلے ہی متعین کر دیا گیا ہو تو صرف بیع یا اجارہ کی فقہی اصطلاح استعمال کر دینے سے معاملے کی حقیقت تبدیل نہیں ہو جاتی۔ وہ فقہی قاعدہ «**العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للألفاظ والمباني**» کو وسیع مفہوم میں استعمال کرتے ہیں؛ یعنی عقود میں اصل اعتبار مقاصد اور معانی کا ہے، صرف الفاظ اور ظاہری صورتوں کا نہیں۔[19]

یہ تنقیدی منہج کلاسیکی فقہ کو رد نہیں کرتا، بلکہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ کلاسیکی فقہی عقود کو جدید مالیاتی نظام میں استعمال کرتے وقت ان کی روح اور حقیقی تقاضوں کو بھی محفوظ رکھا جائے۔ بیع کا لازمی تقاضا حقیقی تجارتی خطرہ ہے، اجارہ میں مالک کی ذمہ داریاں برقرار رہنی چاہییں، مشارکہ میں نفع و نقصان کی واقعی شراکت ہونی چاہیے اور مضاربہ کو سرمائے کی مکمل ضمانت میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بینک اپنے آپ کو ہر عملی خطرے سے مکمل طور پر محفوظ کر لے اور تقریباً تمام خطرہ صارف پر منتقل کر دے تو عقد کا اخلاقی اور معاشی توازن بدل جاتا ہے۔ اسی لیے ناقدین شرعی صورت کے ساتھ معاملے کے شرعی نتائج اور انجام کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ اس منہج کی بڑی قوت یہ ہے کہ یہ اسلامی بینکاری کو محض صنعت کی سہولت اور اطمینان کے دائرے سے نکال کر وسیع تر سماجی ذمہ داری سے جوڑتا ہے۔ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اسلامی بینک غربت کے خاتمے، چھوٹے کاروبار، زراعت، قرضِ حسن، وقف، زکوٰۃ، مالی شمولیت اور دولت کی منصفانہ تقسیم میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اگر اسلامی بینکاری صرف متوسط طبقے کی صارفانہ مالی ضروریات، بڑی کمپنیوں کی تجارتی مالی معاونت اور حکومتی صکوک تک محدود رہے تو کیا اسے اسلامی معاشی تبدیلی کا مکمل نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ

سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اسلام میں مالی معاملات کا مقصد صرف عقد کی شرعی مطابقت نہیں بلکہ عدل، احسان، تعاون، دولت کی گردش اور ظلم و استحصال کا خاتمہ بھی ہے۔[21]

اس منہج کی ایک حد یہ ہے کہ بعض اوقات یہ موجودہ اسلامی بینکاری کی جزوی افادیت کو کم اہمیت دے دیتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان سودی قرض سے بچنے کے لیے حقیقتاً شرعی اصولوں کے مطابق مرابحہ کا معاملہ اختیار کرتا ہے تو اسے محض سرمایہ دارانہ نظام کی نقل قرار دے دینا بھی متوازن رویہ نہیں۔ عملی دنیا میں مکمل متبادل فوری طور پر موجود نہ ہونے کی صورت میں جزوی اصلاح بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے پاکستانی تنقیدی منہج کا بہتر استعمال یہ ہے کہ اسے مکمل رد کے بجائے ایک اصلاحی پروگرام کی صورت دی جائے، جس میں قیمت کے تعین کے متبادل پیمانے، نفع و نقصان میں حقیقی شراکت کے اہداف، شرعی جانچ کی آزادی، سماجی مالیات کا انضمام، اور مالی مصنوعات میں مکمل وضاحت و شفافیت شامل ہو۔[22]

مصری نصی و اصولی منہج

مصری علماء میں احمد علی السالوس کا منہج جدید بینکاری اور ربا کی بحث میں ایک سخت نصی، اصولی اور محتاط طرزِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ قرض پر مشروط اضافہ ربا ہے، خواہ اسے سود، منافع، سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی آمدنی یا بینک کی منفعت کا کوئی اور نام دیا جائے۔ اگر اصل سرمایہ محفوظ ہو، منافع پہلے سے متعین ہو اور سرمایہ فراہم کرنے والے پر حقیقی کاروباری خطرہ نہ ہو تو اس معاملے کو مضاربہ یا شرکت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس منہج میں ناموں اور قانونی تدبیروں کے بجائے عقد کی حقیقی شرعی نوعیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ السالوس کے منہج میں سدِ ذرائع کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ جدید مالیاتی ادارے چونکہ سودی منطق کو مختلف ناموں اور صورتوں میں دوبارہ داخل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے وہ حیلہ نما معاملات کے بارے میں سخت احتیاط کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر بیع العینہ، منظم تورق، صوری مرابحہ یا ضمانت شدہ سرمایہ کاری کے ذریعے وہی قرضی اضافہ حاصل کیا جا رہا ہو جو ربا میں پایا جاتا ہے تو اس منہج کے مطابق ایسی صورتوں کو روکنا ضروری ہے۔ اس میں مقاصدِ شریعت کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، لیکن مقاصد کو نصوص کے تابع رکھا جاتا ہے؛ یعنی محض معاشی ضرورت ربا کی قطعی حرمت کو کمزور نہیں کر سکتی۔ [24]

مصری نصی منہج کی بڑی قوت یہ ہے کہ یہ اسلامی مالیات کی شرعی حدود کو واضح اور مضبوط رکھتا ہے۔ یہ مالیاتی صنعت کو یہ پیغام دیتا ہے کہ شریعت محض کاغذی کارروائی یا فقہی اصطلاحات کا نام نہیں بلکہ مالی تعلق کی حقیقی نوعیت میں تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر کوئی بینک سرمایہ کاری کی سند کو ایسے معاملے میں تبدیل کر دے جس میں اصل سرمایہ اور مقررہ منافع دونوں کی ضمانت ہو تو اس پر شرعی سوال پیدا ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی اسلامی مالیاتی

مصنوع کی بنیادی معاشی ساخت عام سودی قرض ہی کی مانند ہو تو اس پر حیلہ کا شبہ پیدا ہو گا۔ یہ منہج اسلامی بینکاری کو حقیقی شرعی اصالت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔اس منہج کی ایک حد یہ ہے کہ اگر ہر جدید مالیاتی صورت کو محض حیلہ کے احتمال سے دیکھا جائے تو قابلِ عمل متبادل تیار کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔جدید ریاستی مالیات، مرکزی بینکاری، نقدی کے نظم، تجارتی مالی معاونت اور عوامی مالی ضروریات میں ایسی پیچیدگیاں موجود ہیں جن کے لیے صرف ممانعت بیان کرنا کافی نہیں، بلکہ قابلِ عمل شرعی ڈھانچے بھی درکار ہوتے ہیں۔اس لیے نصی واصولی منہج کو مکمل طور پر نتیجہ خیز بنانے کے لیے اسلامی مالیاتی نظام کی تعمیری تشکیل اور نئے قابلِ عمل مالی ڈھانچوں کی تیاری ضروری ہے۔السالوس جیسے علماء کی تنقید اس تعمیری عمل کے لیے شرعی اور اخلاقی حدود متعین کرتی ہے، تاہم مکمل ادارہ جاتی حل کے لیے مزید معاشی، فقہی اور قانونی کام ناگزیر ہے۔[26]

مصری مقاصدی و ترقیاتی منہج

عبد الرحمن یسری احمد کا منہج اسلامی مالیات کو مقاصدِ شریعت، انسانی ترقی، معاشی عدل اور وسائل کی مؤثر تقسیم کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ان کے نزدیک اسلامی مالیات کا کردار صرف اس بات تک محدود نہیں کہ کوئی عقد سود سے پاک ہو، بلکہ یہ بھی دیکھا جانا چاہیے کہ مالیاتی نظام حفظِ مال، حفظِ دین، معاشی استحکام، غربت میں کمی، روزگار کے مواقع، پیداواری سرمایہ کاری اور اجتماعی فلاح کے فروغ میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔اس اعتبار سے یہ منہج اسلامی بینکاری کو محض چند مخصوص مالی عقود کا مجموعہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک وسیع تر معاشی و ترقیاتی منصوبے کا حصہ قرار دیتا ہے۔اس منہج میں ربا کی حرمت ایک بنیادی اور غیر متزلزل اصول کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن تجزیہ صرف عقد کی قانونی صحت تک محدود نہیں رہتا۔مثال کے طور پر اگر کوئی اسلامی بینک شرعی اعتبار سے درست مرابحہ کے معاملات انجام دے رہا ہو، لیکن اس کی زیادہ تر مالی سرگرمیاں کم خطرے والی صارفانہ مصنوعات اور حکومتی صکوک تک محدود ہوں، جبکہ چھوٹے اور متوسط کاروباری اداروں، زراعت، چھوٹے کاروباروں اور سماجی مالیات سے اس کا تعلق بہت کم ہو، تو مقاصدی منہج اسے ایک نامکمل اسلامی مالیاتی نمونہ تصور کرے گا۔اسی طرح اگر اسلامی بینکاری مالیاتی شمولیت میں اضافہ کرتی ہے، سود سے بچنے کا عملی راستہ فراہم کرتی ہے، مالی معاملات کو حقیقی اثاثوں سے جوڑتی ہے اور اخلاقی سرمایہ کاری کو فروغ دیتی ہے تو اسے ایک مثبت پیش رفت سمجھا جائے گا، لیکن اسے اسلامی مالیات کی آخری اور کامل منزل قرار نہیں دیا جائے گا۔[28]

مصری مقاصدی منہج بعض پہلوؤں سے پاکستانی تنقیدی منہج کے قریب ہے، تاہم اس کا لہجہ نسبتاً زیادہ تعمیری اور معاشی ترقی پر مرکوز ہے۔یہ اسلامی بینکاری کو مکمل طور پر رد کرنے کے بجائے اس کی کارکردگی کو مقاصدِ شریعت کے پیمانوں پر جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔اس تناظر میں اہم سوالات یہ ہوں گے کہ مالی معاونت کا کتنا حصہ پیداواری شعبوں میں گیا؟ نفع ونقصان میں حقیقی شراکت پر مبنی عقود کا تناسب کتنا ہے؟ کم آمدنی والے طبقات تک

مالی سہولتوں کی رسائی کس حد تک ہے؟ ادائیگی سے عاجز صارف کے ساتھ رعایت اور سہولت کا نظام کیا ہے؟ خیراتی اور سماجی مالیات کے ذرائع کتنے مؤثر ہیں؟ اور کیا اسلامی مالیاتی نظام دولت کے ارتکاز کو کم کرنے میں کوئی حقیقی کردار ادا کر رہا ہے؟ اس طرح اس منہج میں شرعی حکم کے ساتھ عملی کارکردگی اور سماجی اثرات کا جائزہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس منہج کی بڑی قوت یہ ہے کہ یہ اسلامی مالیات کو شریعت کی روح اور اس کے اجتماعی مقاصد سے مربوط کرتا ہے۔ البتہ اس کی ایک ممکنہ کمزوری یہ ہے کہ اگر مقاصدِ شریعت کو عقود کے شرعی ضوابط سے جدا کر دیا جائے تو یہ خطرہ پیدا ہو سکتا ہے کہ محض معاشی فائدے کی بنیاد پر کسی ایسے معاملے کو بھی جائز سمجھ لیا جائے جو شرعی اصولوں سے متصادم ہو۔ اس لیے صحیح مقاصدی منہج وہی ہے جو نصوص اور عقود کی متعین حدود کو برقرار رکھتے ہوئے مالی معاملات کے معاشی، سماجی اور اخلاقی اثرات کو بھی اپنے تجزیے میں شامل کرے۔ عبدالرحمن یسری احمد کا علمی کام اسی توازن کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مالیات کو مقاصدِ شریعت کے حصول کا ذریعہ بننا چاہیے، مگر خود یہ ذریعہ بھی شریعت کے مقرر کردہ ضوابط کے اندر رہنا ضروری ہے۔[30]

مصری افتائی و ادارہ جاتی منہج

دار الافتاء مصر کے بعض فتاویٰ میں ایک نسبتاً مختلف افتائی اور ادارہ جاتی منہج سامنے آتا ہے۔ اس منہج میں جدید بینک کو محض کلاسیکی قرض کے خانے میں نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کی قانونی حیثیت، ریاستی نگرانی، سرمایہ کاری کی سرگرمیوں، معاشی عرف اور عوامی ضرورت کو بھی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض فتاویٰ میں بینکی جمع شدہ رقوم یا سرمایہ کاری اسناد سے حاصل ہونے والے منافع کو جائز قرار دیا گیا ہے، خصوصاً اس صورت میں جب انہیں ریاستی یا بینکی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے منافع کی حیثیت سے تعبیر کیا گیا ہو۔ اس منہج میں فتویٰ کو محض نظری حکم نہیں بلکہ عوام کے لیے قابلِ عمل رہنمائی کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس افتائی منہج کی ایک اہم بنیاد عرف اور مصلحت ہے۔ جدید ریاست میں بینک عوامی بچتوں کو مجتمع کرنے، ترقیاتی منصوبوں کے لیے سرمایہ فراہم کرنے، ادائیگیوں کے نظام کو چلانے اور قومی و عوامی سرمایہ کاری میں کردار ادا کرنے والے اہم ادارے ہیں۔ اگر عام شہری کو ہر قسم کے بینکی معاملے سے مکمل طور پر منع کر دیا جائے تو عملی معاشی زندگی میں شدید دشواری اور حرج پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی لیے دار الافتاء کے بعض فتاویٰ میں معاملے کی قانونی اور معاشی نوعیت کو از سرِ نو متعین کرتے ہوئے بعض بینکی معاملات کو قرض کے بجائے سرمایہ کاری کے قریب سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم یہی نقطہ سب سے زیادہ اختلافی بھی ہے، کیونکہ ناقد علماء کا کہنا ہے کہ جب اصل سرمایہ کی ضمانت اور پہلے سے مقرر منافع دونوں موجود ہوں تو محض سرمایہ کاری کا عنوان اس معاملے کو قرضی ربا سے جدا نہیں کرتا۔[32]

اس منہج کی اہم قوت یہ ہے کہ یہ عوامی ضرورت اور ریاستی معاشی نظم کو نظر انداز نہیں کرتا۔ فتویٰ کا مقصد صرف نظری خالص پن قائم رکھنا نہیں بلکہ لاکھوں افراد کی عملی زندگی میں شرعی رہنمائی فراہم کرنا بھی ہے۔ ایک عام شہری یہ سوال کر سکتا ہے کہ اپنی بچت کہاں محفوظ کرے، پنشن یا سرمایہ کاری سند سے حاصل ہونے والا منافع لے یا نہ لے، یا گھر قسطوں پر خریدنا جائز ہے یا نہیں۔ ایسے مسائل میں مفتی کو ایسا جواب دینا ہوتا ہے جو شرعی اصولوں کے ساتھ عملی حالات کو بھی سامنے رکھے۔ تاہم اس منہج کی ایک حد یہ ہے کہ اگر عملی سہولت اور عمومی ضرورت کو حد سے زیادہ اہمیت دے دی جائے تو نصوص اور قطعی شرعی حدود کے کمزور پڑنے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی لیے افتائی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاملات کی قانونی و شرعی حقیقت کو پوری صراحت سے بیان کریں: جمع شدہ رقم قرض ہے یا سرمایہ کاری؟ منافع پہلے سے مقرر ہے یا متوقع؟ مالی خطرہ کس پر عائد ہوتا ہے؟ اور بینک کی حیثیت وکیل کی ہے یا مقروض کی؟

پاکستانی ماحول میں اس نوعیت کا افتائی منہج نسبتاً کم غالب دکھائی دیتا ہے، کیونکہ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے لیے ایک الگ ادارہ جاتی اور قانونی راستہ قائم کیا گیا ہے۔ مصر میں چونکہ سرکاری بینکوں اور سرمایہ کاری اسناد کے منافع کی بحث زیادہ نمایاں رہی ہے، اس لیے وہاں افتائی روایت نے روایتی بینکاری سے حاصل ہونے والے منافع کی شرعی تعبیر پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی علماء عموماً اسلامی بینک کی مخصوص مالی مصنوعات اور ان کی شرعی صحت پر بحث کرتے ہیں، جبکہ مصری افتائی روایت بعض اوقات عمومی بینکی منافع کے جواز یا عدمِ جواز کو بھی موضوع بناتی ہے۔ مناہجِ استدلال کے تقابلی مطالعے میں یہ فرق نہایت اہمیت رکھتا ہے۔[34]

پاکستانی اور مصری مناہج کا تقابلی مطالعہ

پاکستانی اور مصری مناہج کا پہلا مشترک نکتہ ربا کی اصولی حرمت ہے۔ کوئی سنجیدہ عالم ربا کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اصل اختلاف اس بات میں پیدا ہوتا ہے کہ جدید بینکی معاملے کی حقیقی شرعی بنیاد اور علت کیا ہے۔ پاکستانی تائیدی منہج کا موقف یہ ہے کہ اگر قرضی تعلق کو حقیقی بیع، اجارہ یا کسی دوسرے جائز عقد میں تبدیل کر دیا جائے تو شرعی حکم بھی بدل سکتا ہے۔ اس کے برعکس مصری نصی منہج یہ سوال اٹھاتا ہے کہ یہ تبدیلی فی الواقع حقیقی ہے یا محض ظاہری اور صوری۔ مصری افتائی منہج بعض صورتوں میں روایتی بینک کے منافع کو سرمایہ کاری کے منافع کے طور پر دیکھتا ہے، جبکہ پاکستانی تنقیدی منہج اس بات پر زور دیتا ہے کہ معاملے کی حقیقی معاشی نوعیت کو دیکھے بغیر محض عقد کی ظاہری صورت کو کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔

دوسرا اہم فرق عقد مرکز اور نظام مرکز استدلال کا ہے۔ مفتی تقی عثمانی کا منہج انفرادی مالی مصنوعات اور ان کے عقود کے فقہی تجزیے میں بہت مضبوط ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مرابحہ کی شرائط کیا ہیں، اجارہ میں ملکیت کس کے پاس رہتی ہے، مشارکہ میں نفع و نقصان کا تناسب کس اصول پر

متعین ہو گا، اور تاخیرِ ادائیگی کی صورت میں جرمانے کی رقم کہاں صرف ہو گی۔ اس کے مقابلے میں پاکستانی تنقیدی منہج پورے مالیاتی نظام کو موضوعِ بحث بناتا ہے اور یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اسلامی بینک موجودہ سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کے اندر حقیقتاً کیا تبدیلی پیدا کر رہا ہے۔ عبد الرحمن یسری احمد کا منہج بھی نظامی سطح پر غور کرتا ہے، لیکن اس کی توجہ معاشی ترقی اور مقاصدِ شریعت پر زیادہ ہوتی ہے۔ احمد علی السالوس کا منہج عقد کی حقیقی نوعیت اور نصوص کی مقرر کردہ حدود، دونوں پر یکساں زور دیتا ہے۔[36]

تیسرا فرق تدریج اور احتیاط کے اصول میں سامنے آتا ہے۔ پاکستانی تائیدی منہج میں تدریج ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مطابق موجودہ سودی نظام سے نکلنے کے لیے بعض ایسے راستے اختیار کیے جاسکتے ہیں جو مثالی تو نہ ہوں لیکن شرعی اعتبار سے جائز ہوں۔ اس کے برعکس مصری نصی منہج میں احتیاط کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ اگر کسی معاملے میں حیلہ یا ربا کا قوی شبہ موجود ہو تو اسے روکنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مصری افتائی منہج میں عوامی ضرورت، عمومی حاجت اور حرج کے ازالے کو زیادہ اہمیت دی جاسکتی ہے۔ مقاصدی منہج تدریج اور مقصد دونوں کو یکجا کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اسلامی مالیاتی اداروں کے لیے عملی کارکردگی کے اہداف بھی متعین کرتا ہے۔

چوتھا فرق شرعی نگرانی اور ادارہ جاتی نظم کی حیثیت سے متعلق ہے۔ پاکستان میں شرعی مجالس، نگران ادارہ، بین الاقوامی شرعی معیارات، اسٹیٹ بینک کا شرعی نگرانی کا نظام اور اسلامی بینکاری کی مخصوص شاخوں سے متعلق مسائل خود استدلال کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ادارے کا وجود بذاتِ خود شرعی صحت کی قطعی دلیل نہیں، تاہم یہ ایک معاون اور مضبوط نظم فراہم کرتا ہے۔ مصر میں الازہر، دار الافتاء اور ریاستی دینی ادارے فتویٰ کی علمی و سماجی حجیت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بنیادی سوال یہ بنتا ہے کہ شرعی نگرانی کسی مخصوص مالی مصنوع کے داخلی جائزے تک محدود ہے یا عوامی سطح پر فتویٰ دینے والی مقتدر دینی مرجعیت بھی اس میں شامل ہے۔ پاکستان میں پہلا پہلو زیادہ نمایاں ہے، جبکہ مصر میں دوسرا پہلو نسبتاً زیادہ اہم دکھائی دیتا ہے۔[38]

پانچواں فرق معاشی حقیقت کے استعمال میں نمایاں ہوتا ہے۔ پاکستانی تائیدی منہج معاشی حقیقت کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے کہ عقد قابلِ عمل ہو اور سودی نظام کا حقیقی متبادل بن سکے۔ پاکستانی تنقیدی منہج معاملے کی معاشی حقیقت کو حکم کی روح سمجھتا ہے اور اسی بنیاد پر ظاہری شرعی صورت کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔ مصری مقاصدی منہج معاشی حقیقت کو مقاصدِ شریعت کی روشنی میں نتائج جانچنے کے لیے استعمال کرتا ہے، جبکہ مصری افتائی منہج اسے عرف، ضرورت اور عمومی مصلحت کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ یوں ایک ہی تصور، یعنی معاشی حقیقت، مختلف مناہج میں مختلف علمی اور عملی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

چھٹا فرق قیمت کے تعین کے رائج پیمانوں کے مسئلے میں سامنے آتا ہے۔ تائیدی منہج کا موقف یہ ہے کہ سودی شرح پر مبنی کسی رائج پیمانے کو محض قیمت کے تعین کے اشارے کے طور پر استعمال کرنا عقد کو ربوی نہیں بناتا، بشرطیکہ اصل عقد بیع، اجارہ یا کسی دوسرے جائز معاملے پر قائم ہو۔ ناقدانہ منہج کا کہنا ہے کہ اگر اسلامی مالیات مستقل طور پر سودی مالیاتی نظام کے پیمانوں کی محتاج رہے تو وہ عملی طور پر روایتی مالیات کے زیرِ سایہ ہی رہے گی۔ مقاصدی منہج یہ مؤقف اختیار کرتا ہے کہ مختصر مدت میں ایسے پیمانوں کا استعمال مجبوری یا عبوری ضرورت کے طور پر برداشت کیا جا سکتا ہے، لیکن طویل مدت میں اسلامی مالیات کے لیے آزاد اور اپنے اصولوں سے ہم آہنگ قیمت کے تعین کے طریقے پیدا کرنا ضروری ہیں۔ نصی منہج ایسے پیمانوں کو اس وقت خطرناک سمجھتا ہے جب ان کے نتیجے میں عقد کی حقیقی نوعیت سودی تعلق کے مشابہ ہو جائے۔[40]

استدلالی مناہج کا تنقیدی جائزہ

تائیدی پاکستانی منہج کی سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ اس نے اسلامی مالیات کو عملی اور ادارہ جاتی صورت فراہم کی۔ اگر علماء صرف ربا کی حرمت بیان کرتے اور کوئی قابلِ عمل متبادل عقود سامنے نہ لاتے تو مسلمان صارفین بڑی حد تک روایتی سودی بینکاری پر منحصر رہتے۔ اس منہج نے فقہی اصولوں کو عملی معاہدات، بینکی دستاویزات، شرعی معیارات اور نگران قواعد میں ڈھالنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ تاہم اس کی ایک کمزوری یہ ہے کہ بعض اوقات شرعی مطابقت کی ظاہری سطح پر اکتفا ہو جاتا ہے اور روحِ شریعت کے وسیع تر تقاضے پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ جب اسلامی مالیاتی صنعت مرابحہ اور قرض سے مشابہ مصنوعات پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرنے لگے تو ناقدین کی یہ تنقید زیادہ وزن اختیار کر لیتی ہے کہ اسلامی مالیات کو حقیقی شراکت اور معاشی عدل کی طرف مزید بڑھنا چاہیے۔

پاکستانی تنقیدی منہج کی قوت یہ ہے کہ یہ اسلامی بینکاری کو مقاصدِ شریعت، عدل، سرمایہ دارانہ نظام، نفع و نقصان میں شراکت اور سماجی تبدیلی کے معیار پر جانچتا ہے۔ یہ منہج مالیاتی صنعت کو محض اس دلیل پر مطمئن نہیں ہونے دیتا کہ کسی خاص مالی مصنوع کے لیے شرعی فتویٰ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کے نزدیک فتویٰ کے بعد بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اس معاملے کا حقیقی معاشی اور سماجی اثر کیا ہے۔ تاہم اس منہج کی کمزوری یہ ہو سکتی ہے کہ اگر عملی مشکلات، قانونی بندشوں اور موجودہ مالیاتی ڈھانچے کی محدودیتوں کو مناسب وزن نہ دیا جائے تو اصلاحی تنقید کلی رد میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ایک متوازن علمی منہج کو یہ فرق ضرور قائم کرنا چاہیے کہ کون سی مالی مصنوع واقعی صوری ہے، کون سی شرعاً جائز مگر کم تر درجے کی ہے، اور کون سی شرعی و مقاصدی دونوں اعتبار سے بہتر ہے۔[42]

مصری نصی و اصولی منہج کی سب سے بڑی قوت شرعی اصالت اور اصولی استقامت ہے۔ یہ ربا کی حرمت کو کسی معاشی سہولت یا وقتی ضرورت کے سامنے کمزور نہیں ہونے دیتا۔ یہ حیلہ سازی، ضمانت شدہ منافع، صوری سرمایہ کاری اور محض قانونی تعبیر کے ذریعے سودی حقیقت کو چھپانے کی کوشش پر سخت سوال اٹھاتا ہے۔ تاہم اس منہج کو عملی متبادل کی تعمیر کے ساتھ مربوط کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر بحث صرف ممانعت تک محدود رہ جائے تو اسلامی مالیاتی صنعت کے لیے روایتی نظام سے نکلنے کے قابلِ عمل راستے محدود ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس منہج کی بہترین خدمت یہ ہے کہ وہ شرعی حدود واضح کرے اور اسلامی مالیات کے ماہرین، فقہاء، قانون دانوں اور معاشی ماہرین کو انہی حدود کے اندر نئے قابلِ عمل حل تیار کرنے کی طرف متوجہ کرے۔

مصری مقاصدی و معاشی منہج کی بڑی قوت یہ ہے کہ یہ اسلامی مالیات کو معاشی ترقی، اجتماعی فلاح اور عمومی منفعت سے مربوط کرتا ہے۔ تاہم ہر مقاصدی منہج کو اس خطرے سے بچنا ضروری ہے کہ مقصد کے نام پر عقد کے شرعی ضوابط کمزور نہ پڑ جائیں۔ شریعت میں مقصد اور ضابطہ دونوں لازم ہیں۔ اگر مقصد عوامی فلاح ہو لیکن ذریعہ ربا پر مبنی ہو تو ذریعہ ناجائز ہی رہے گا۔ اسی طرح اگر ذریعہ شرعی طور پر درست ہو لیکن اس کے سماجی اور معاشی نتائج کمزور ہوں تو اس میں اصلاح اور بہتری کی ضرورت ہو گی۔ یہی توازن اسلامی مالیات کی فکری اور عملی پختگی کا ایک اہم معیار ہے۔[44]

مصری افتائی و ادارہ جاتی منہج کی بڑی قوت اس کی عوامی معنویت اور عملی تعلق ہے۔ یہ عام لوگوں کے روزمرہ معاشی سوالات کو سامنے رکھتا اور معاشی حرج کو محسوس کرتا ہے۔ تاہم اس کی ایک بنیادی حد معاملے کی فقہی و قانونی حقیقت کی واضح تعیین ہے۔ اگر بینک میں جمع شدہ رقم کو سرمایہ کاری کہا جائے تو یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ مالی خطرہ کس پر ہے، اصل رقم کی ضمانت کس نوعیت کی ہے، منافع کس بنیاد پر متعین ہوتا ہے اور بینک کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اگر یہ پہلو واضح نہ ہوں تو فتویٰ عوامی اعتماد بڑھانے کے بجائے علمی اختلاف کو مزید گہرا کر سکتا ہے۔ اسی لیے افتائی منہج کو بھی شرعی نگرانی، مکمل وضاحت اور عقد کی حقیقی نوعیت کے ساتھ مضبوطی سے مربوط ہونا چاہیے۔[45]

علمی و عملی سفارشات

اول، اسلامی بینکاری پر بحث کرتے وقت ہر عالم اور ادارے کو اپنے بنیادی استدلالی منہج کی وضاحت کرنی چاہیے۔ یہ واضح ہونا چاہیے کہ آیا وہ عقد کی ظاہری صورت کو فیصلہ کن حیثیت دیتا ہے، معاملے کی معاشی حقیقت کو شرعی حکم میں کس حد تک شامل کرتا ہے، مقاصدِ شریعت کو معاون معیار سمجھتا ہے یا بنیادی معیار، اور ضرورت و عرف کو محدود رخصت کے طور پر استعمال کرتا ہے یا وسیع اجازت کے طور پر۔ جب بنیادی منہج واضح ہو گا تو اختلاف زیادہ علمی، منظم اور اصولی ہو گا اور شخصی یا جذباتی نوعیت کم اختیار کرے گا۔

دوم، پاکستانی اور مصری علماء کے درمیان تقابلی افتائی مجالس اور علمی مکالمے قائم ہونے چاہییں، جن میں ایک ہی مالی مصنوع کو مختلف استدلالی مناہج کی روشنی میں جانچا جائے۔ مثلاً مرابحہ، اجارہ منتہی بالتملیک، مشارکہ متناقصہ، سرمایہ کاری کھاتے، صکوک، منظم تورق اور بینکی جمع شدہ رقوم کے بارے میں مشترک علمی مطالعات کیے جاسکتے ہیں۔ ہر مطالعے میں نصی، فقہی، مقاصدی، معاشی اور قانونی تجزیہ الگ الگ اور واضح طور پر درج ہونا چاہیے۔ اس سے اسلامی مالیات میں علمی شفافیت، باہمی تفہیم اور اصولی مکالمہ فروغ پائے گا۔[47]

سوم، شرعی نگرانی کو صرف کسی مالی مصنوع کی منظوری تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس میں مقاصدِ شریعت کی روشنی میں اثرات کا باقاعدہ جائزہ بھی شامل ہونا چاہیے۔ پہلا سوال یقیناً یہ ہونا چاہیے کہ مالی مصنوع شرعاً جائز ہے یا نہیں، لیکن اس کے بعد یہ بھی دیکھا جانا چاہیے کہ اس سے حقیقی معیشت کو کیا فائدہ پہنچا، نفع و نقصان میں حقیقی شراکت کتنی ہوئی، کمزور اور کم آمدنی والے طبقات کو کیا سہولت ملی، اور دولت کے ارتکاز یا منصفانہ تقسیم پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ یہ طرزِ عمل پاکستانی تائیدی منہج اور مصری مقاصدی منہج کے درمیان ایک مفید علمی پل قائم کر سکتا ہے۔

چہارم، اسلامی بینکاری کے نصاب اور تحقیقی مباحث میں مناہجِ استدلال کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت دی جانی چاہیے۔ طلبہ کو صرف مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ کی تعریفیں اور احکام نہ پڑھائے جائیں، بلکہ یہ بھی سمجھایا جائے کہ ایک تائیدی عالم کس بنیاد پر استدلال کرتا ہے، ایک ناقد کس زاویے سے معاملے کو دیکھتا ہے، ایک افتائی ادارہ عمومی ضرورت اور عرف کو کیسے استعمال کرتا ہے، اور مقاصدِ شریعت پر توجہ دینے والا ماہرِ معاشیات مالی نتائج کا جائزہ کس طریقے سے لیتا ہے۔ اس سے طلبہ میں فکری پختگی پیدا ہوگی اور اسلامی مالیات سے متعلق سطحی اور دوٹوک مباحث میں کمی آئے گی۔[49]

پنجم، اسلامی مالیاتی صنعت کو علمی تنقید کے مقابلے میں دفاعی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ناقدین یہ کہتے ہیں کہ بعض اسلامی مالی مصنوعات روایتی سودی مالیات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں تو اسے محض مخالفت نہ سمجھا جائے بلکہ اصلاح اور بہتری کا اشارہ تصور کیا جائے۔ اسی طرح ناقدین کو بھی ہر اسلامی بینکاری کوشش کو حیلہ قرار دے کر کلی طور پر رد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ مختلف درجات قائم کرنے چاہییں: جائز اور بہتر، جائز مگر کم تر، مشتبہ، ناجائز، اور مقاصدِ شریعت کے اعتبار سے زیادہ مطلوب۔ اس درجہ بندی پر مبنی منہج سے علمی انصاف بھی قائم ہوگا اور اسلامی مالیات کی عملی اصلاح بھی زیادہ مؤثر طور پر ممکن ہو سکے گی۔[50]

نتائج تحقیق

اس تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں پاکستانی اور مصری علماء کے اختلافات کی اصل بنیاد اکثر شرعی حکم سے پہلے **منہج استدلال** میں پائی جاتی ہے۔ تمام سنجیدہ مکاتبِ فکر ربا کی حرمت کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن جدید بینکی معاملات کی حقیقت، ساخت اور شرعی نوعیت کو

سمجھنے کے اصول یکساں نہیں ہیں۔ پاکستانی تائیدی منہج نصوصِ ربا، کلاسیکی فقہی عقود، تدریجی تبدیلی اور شرعی نگرانی کے اصولوں کو یکجا کر کے اسلامی بینکاری کو ایک جائز، قابلِ عمل، مگر مسلسل اصلاح کی محتاج صورت کے طور پر دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس پاکستانی تنقیدی منہج معاملے کی حقیقی معاشی نوعیت، مقاصدِ شریعت، سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام پر تنقید، اور نفع و نقصان میں حقیقی شراکت کی کمی کو بنیاد بنا کر موجودہ اسلامی مالیاتی صنعت کو ادھورا اور بعض صورتوں میں محض ظاہری شرعی صورت تک محدود سمجھتا ہے۔

مصری نصی و اصولی منہج ربا کی حدود کی حفاظت، حیلہ سازی کے سدباب، اور عقد کی حقیقی شرعی ساخت پر خاص زور دیتا ہے۔ مصری مقاصدی و معاشی منہج مالیات کو انسانی ترقی، معاشی عدل، وسائل کی منصفانہ گردش، روزگار اور اجتماعی فلاح کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ مصری افتائی و ادارہ جاتی منہج عوامی ضرورت، جدید معاشی عرف، ریاستی نظم اور معاملات کی قانونی تعبیر کو اہمیت دیتا ہے، تاہم اس پر بنیادی تنقید یہی وارد ہوتی ہے کہ قرض اور سرمایہ کاری کی شرعی حدود ایک دوسرے میں مدغم یا غیر واضح نہ ہو جائیں۔ ان تمام مناہج کے تقابلی مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی بینکاری کی بحث کو کسی ایک معیار یا زاویۂ نظر سے نہیں، بلکہ متعدد باہم مربوط سطحوں پر جانچنے کی ضرورت ہے۔ ان میں نصوص، فقہی عقود، معاملے کی حقیقی معاشی نوعیت، مقاصدِ شریعت، ادارہ جاتی نظم اور عملی نتائج سب شامل ہیں۔[52]

حتمی طور پر ایک ایسے متوازن منہج کی ضرورت سامنے آتی ہے جو نصوصِ ربا کی قطعی حیثیت کو مکمل طور پر محفوظ رکھے، کلاسیکی فقہ کے عقود کو سنجیدگی اور ان کی حقیقی شرائط کے ساتھ استعمال کرے، صوری حیلوں اور محض ظاہری شرعی صورتوں سے اجتناب کرے، حاجت اور تدریج کے اصولوں کو مناسب حدود میں تسلیم کرے، مقاصدِ شریعت کو عملی کارکردگی اور معاشی اثرات جانچنے کا معیار بنائے، اور شرعی نگرانی کو حقیقی معنوں میں آزاد، مؤثر اور شفاف بنائے۔ اگر پاکستانی اور مصری علمی روایات ایک دوسرے کے تجربات، قوتوں اور تنقیدی بصیرت سے استفادہ کریں تو اسلامی بینکاری محض شرعی مطابقت پر قائم مالی صنعت سے آگے بڑھ کر ایک زیادہ اصیل، منصفانہ، متوازن اور ترقی رُخ مالیاتی نظام کی جانب پیش رفت کر سکتی ہے۔[53]

حوالہ جات

1. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری) کراچی :مکتبہ معارف القرآن(، مرابحہ، مشارکہ اور اجارہ کے مباحث؛ نیز اسلام اور جدید معاشی مسائل، ج.3
2. اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک برائے اسلامی بینکاری ادارے، نظر ثانی شدہ نسخہ2024/2025 ؛ اسلامی فنانس پالیسی ڈیپارٹمنٹ کا مواد.
3. قرآن کریم، سورہ البقرہ، آیت.278
4. قرآن کریم، سورہ البقرہ، آیات279-275 ؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاہ، حدیث.1598
5. وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، کتاب البیوع، ربا، شرکت اور مضاربہ کے ابواب.
6. احمد علی السالوس، موسوعہ القضایا الفقہیہ المعاصرہ والاقتصاد الاسلامی، بینکی سود اور معاصر مالی معاملات کے مباحث.
7. ایوفی، المعاییر الشرعیہ، المرابحہ، الاجارہ، المشارکہ، المضاربہ اور التورق سے متعلق معیارات.
8. ابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، عقود کے مقاصد، حیل اور معانی کے مباحث.
9. شاطبی، الموافقات، مقاصد الشریعہ اور مآلات الافعال کے ابواب.
10. سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، بیع بالتراضی سے متعلق روایت؛ فقہی کتب میں ابواب البیوع کے تحت اس کی بحث.
11. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری؛ ایوفی، معیار المرابحہ.
12. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری، مرابحہ کو طریقہ تمویل کے طور پر استعمال کرنے کی شرائط.
13. محمد ایوب، Understanding Islamic Finance (Chichester: Wiley, 2007)، اسلامی طریقہ ہائے تمویل کے ابواب.
14. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری؛ عمر چاپرا، مستقبلِ معاشیات :اسلامی تناظر.
15. اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک؛ ایوفی، معاےےر الحوکمہ للمؤسسات المالیہ الاسلامیہ.
16. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری؛ اسلامی بینکاری پر معاصر اصلاحی و تنقیدی مباحث.
17. جاوید اکبر انصاری، اسلامی بینکاری اور سرمایہ دارانہ نظام پر تنقیدی مباحث؛ عمر چاپرا، اسلام اور معاشی چیلنج.
18. ابن نجیم، الاشباہ والنظائر؛ قاعدہ :العبرہ فے العقود للمقاصد والمعانے لا للألفاظ والمبانے.
19. عاصرف وجدی دوسوکی اور نوردیاناوتی عبداللہ،" مقاصد الشریعہ، مصلحت اور کارپوریٹ سماجی ذمہ داری، "The American Journal of Islamic Social Sciences 24, no. 1 (2007): 25-45.
20. عمر چاپرا، اسلام اور معاشی چیلنج (Leicester: Islamic Foundation, 1992)، دولت کی گردش، عدل اور فلاح کے مباحث.
21. اسلامک ڈیولپمنٹ بینک انسٹی ٹیوٹ، زکوہ، وقف اور اسلامی سماجی مالیات سے متعلق مطبوعات.

22. ایوفی، المعاییر الشرعیہ؛ اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک.
23. احمد علی السالوس، موسوعہ القضایا الفقہیہ المعاصرہ، ربا البنوک کے مباحث.
24. مجمع الفقہ الاسلامی الدولے، قرارات وتوصیات، بینکی سود اور معاصر مالی معاملات سے متعلق فیصلے.
25. السالوس، موسوعہ القضایا الفقہیہ المعاصرہ؛ التورق المنظم اور حیل مالیہ سے متعلق معاصر مباحث.
26. ایوفی، المعاییر الشرعیہ؛ اسلامی بینکاری کی حقیقی و صوری صورتوں پر معاصر نقد.
27. عبدالرحمن یسری احمد، "دور التمویل فے تحقق مقاصد الشریعة، " Islamic Economic Studies 19, no. 2 (2011): 1-18.
28. عبدالرحمن یسری احمد، "دور التمویل فے تحقق مقاصد الشریعة"؛ عمر چاپرا، مستقبل معاشیات :اسلامی تناظر.
29. اسلامک فنانشل سروسز بورڈ، Islamic Financial Services Industry Stability Report 2025 ؛ اسلامی مالیات کی ترقی سے متعلق معاصر لٹریچر.
30. شاطبی، الموافقات؛ مقاصدی مالیات سے متعلق معاصر علمی مباحث.
31. دار الافتاء المصریہ، فتاویٰ المعاملات المعاصرہ؛ مصر کی سرکاری معلوماتی خدمت، سرمایہ کاری سرٹیفکیٹس کے جواز سے متعلق دار الافتاء کا بیان، 23 مارچ 2022.
32. دار الافتاء المصریہ، بینک ڈپازٹس، سرمایہ کاری سرٹیفکیٹس اور قسطوں کے معاملات سے متعلق فتاویٰ.
33. بینکی منافع سے متعلق مصری افتائی لٹریچر؛ احمد علی السالوس اور دیگر معاصر فقہاء کی تنقید.
34. محمد کبیر حسن اور مروین کے لیوس، مرتبین، Handbook of Islamic Banking (Cheltenham: Edward Elgar, 2007)، مختلف ملکوں میں اسلامی بینکاری کے ابواب.
35. قرآن کریم، البقرہ2:275-279 ؛ محمد تقی عثمانی؛ احمد علی السالوس.
36. ایوفی، المعاییر الشرعیہ؛ محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری.
37. اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک؛ دار الافتاء المصریہ، سرکاری فتویٰ پورٹل.
38. عبدالرحمن یسری احمد؛ عمر چاپرا؛ عاصرف وجدی دوسوکی اور نوردیاناوتی عبداللہ.
39. محمد تقی عثمانی، benchmark کے استعمال سے متعلق مباحث؛ اسلامی مالیاتی قیمت گذاری پر معاصر علمی بحث.
40. اسلامک فنانشل سروسز بورڈ، Stability Report 2025 ؛ ایوفی؛ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا شریعہ گورننس فریم ورک.
41. محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری؛ اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک.
42. اسلامی بینکاری پر تنقیدی لٹریچر؛ جاوید اکبر انصاری کا نظامی و تہذیبی نقد.
43. احمد علی السالوس، موسوعہ القضایا الفقہیہ المعاصرہ؛ مجمع الفقہ الاسلامی الدولے، بینکی سود سے متعلق فیصلے.
44. عبدالرحمن یسری احمد، "دور التمویل فے تحقق مقاصد الشریعة".

45. دار الافتاء المصریہ، فتاویٰ المعاملات المعاصرہ.
46. ایوفی، المعاییر الشرعیہ؛ IFSB اور SBP کے شریعہ/گورننس فریم ورکس.
47. تقابلی فقہ اور فتویٰ اسٹڈیز کا منہج؛ شکاگو مینول آف اسٹائل، نظامِ حواشی و کتابیات.
48. اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شریعہ گورننس فریم ورک؛ ایوفی، معاےےر الحوکمہ.
49. اسلامی مالیات کی تدریس سے متعلق لٹریچر؛ محمد ایوب،Understanding Islamic Finance.
50. عمر چاپرا، اسلام اور معاشی چیلنج؛ اسلامک ڈیولپمنٹ بینک انسٹی ٹیوٹ کی مطبوعات.
51. محمد تقی عثمانی؛ احمد علی السالوس؛ عبدالرحمن یسری احمد؛ دار الافتاء المصریہ.
52. شاطبی، الموافقات؛ ابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین.
53. ایوفی؛ اسٹیٹ بینک آف پاکستان؛ اسلامک فنانشل سروسز بورڈ؛ اسلامی مالیاتی گورننس سے متعلق معاصر لٹریچر.

کتابیات

قرآن کریم.

صحیح مسلم .کتاب المساقاہ، حدیث.1598

سنن ابن ماجہ .کتاب التجارات.

عثمانی، محمد تقی .غیر سودی بینکاری .کراچی :مکتبہ معارف القرآن، مختلف ایڈیشنز.

عثمانی، محمد تقی .اسلام اور جدید معاشی مسائل .کراچی :مکتبہ معارف القرآن، مختلف ایڈیشنز.

السالوس، احمد علی .موسوعہ القضایا الفقہیہ المعاصرہ والاقتصاد الاسلامی .قاہرہ/دوحہ :مختلف ایڈیشنز.

زحیلی، وہبہ .الفقہ الاسلامی وادلتہ .دمشق :دار الفکر، مختلف ایڈیشنز.

شاطبی، ابو اسحاق .الموافقات .مختلف ایڈیشنز.

ابن القیم .اعلام الموقعین عن رب العالمین .مختلف ایڈیشنز.

ابن نجیم، زین الدین .الاشباہ والنظائر .مختلف ایڈیشنز.

ایوفی .المعاییر الشرعیہ .منامہ: Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions، تازہ دستیاب ایڈیشن.

اسٹیٹ بینک آف پاکستان .شریعہ گورننس فریم ورک برائے اسلامی بینکاری ادارے .کراچی: SBP، نظر ثانی شدہ نسخہ.2024/2025

اسٹیٹ بینک آف پاکستان . اسلامی بینکاری بلیٹن . کراچی : اسلامی فنانس پالیسی ڈیپارٹمنٹ، تازہ شمارے.

دار الافتاء المصریہ . فتاویٰ المعاملات المعاصرہ . سرکاری فتویٰ پورٹل.

مجمع الفقہ الاسلامی الدولی . قرارات وتوصیات . جدہ: Organization of Islamic Cooperation، مختلف ایڈیشنز.

احمد، عبدالرحمن یسری". دور التمویل فی تحقیق مقاصد الشریعۃ." Islamic Economic Studies 19, no. 2 (2011): 1-18.

چاپرا، محمد عمر. اسلام اور معاشی چیلنج. Leicester: The Islamic Foundation، 1992.

چاپرا، محمد عمر. مستقبلِ معاشیات: اسلامی تناظر. Leicester: The Islamic Foundation، 2000.

ایوب، محمد . تفہیم اسلامی مالیات (Understanding Islamic Finance). Chichester: John Wiley & Sons، 2007.

دوسوکی، عاصرف وجدی، اور نوردیاناوتی عبداللہ . "Maqasid al-Shari'ah, Maslahah, and Corporate Social Responsibility." The American Journal of Islamic Social Sciences 24, no. 1 (2007): 25-45.

حسن، محمد کبیر، اور مروین کے لیوس، مرتبین. Handbook of Islamic Banking. Cheltenham: Edward Elgar، 2007.

اسلامک فنانشل سروسز بورڈ. اسلامی مالیاتی خدماتی صنعت کی استحکام رپورٹ 2025 (Islamic Financial Services Industry Stability Report 2025). Kuala Lumpur: IFSB، 2025.